عدالتی اور شرعی طلاقیں

جناب سید مصطفی حسن رضوی صاحب مدیر ''سرفراز''، لکھنؤ

تجدد پسندی کے اس دور میں جب کہ مذہبی واخلاقی قدروں کو ہم نے سبک سمجھ رکھا ہے، ہمارے نکاح اور طلاق پر سے بھی مذہبی گرفت بہت کمزور ہوکر رہ گئی ہے اور ہم نے انہیں شرعی اہمیت دینا کم کردی ہے۔ پہلے نکاح بہت سوچ سمجھ کر کئے جاتے تھے۔ اور طلاق بھی شاذ و نادر ہی ہوتی تھی۔ عرب میں طلاق دینا ایک معمولی بات ہے لیکن ہمارے ہندوستان میں طلاق کو حد درجہ معیوب سمجھا جاتا تھا اور اس کی نوبت اسی وقت آتی تھی جب کہ زوجہ میں کوئی اخلاقی کمزوری ہو، ورنہ جب کسی عورت کی کسی مرد کے ساتھ شادی ہوگئی عورت یہ تہیہ کرکے سسرال آتی تھی کہ بس اب اس گھر سے مجھے مرکر ہی نکلنا ہے۔ اور مرد بھی بیوی کی عزت و ناموس کو اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کی حفاظت میں اپنا مال ومتاع ہی نہیں بلکہ جان عزیز تک قربان کردیتا تھا۔ اس کے دل ودماغ میں کبھی بیوی کو طلاق دینے کا خیال بھی نہ آتا تھا۔ اس کی زندگی میں باہر کی خواہ کتنی ہی عورتیں داخل ہوجائیں لیکن وہ اپنی بیاہتا بیوی کو گھر کی ملکہ سمجھتا تھا اور تمام دوسری عورتوں سے اسے بلند وارفع خیال کرتا تھا۔

چونکہ عورتیں ایک کے بعد دوسرے شوہر کا کبھی تصور بھی نہ کرتی تھیں اس لئے وہ شوہروں کی سختیاں برداشت کرتیں، غرے ڈبے سہتیں، تکلیفیں اٹھاتیں، غصہ کی آنکھیں دیکھتیں، بےاعتنائیوں کے تیروں سے اپنے دل وجگر کو چھلنی ہوتے گوارا کرتیں لیکن مجال ہے کہ کبھی ان کے دل میں شوہر کی طرف سے بےوفائی کا خطور بھی ہوتا ہو۔ شوہر مردانہ مکان میں رقص وسرود کی محفلیں گرم رکھتا اور شراب و شاہد کی صحبتوں میں اپنے روز و شب گزارتا اور بیوی غریب زنانخانہ میں پڑی ایڑیاں رگڑا کرتی، شوہر گھر میں بہت کم آتا اور باہر ہی اپنی مخصوص دلچسپیوں میں دل بہلاتا۔ خود ہمارے علم میں متعدد مثالیں ایسی موجود ہیں جب کہ شوہروں نے اپنی بیویوں کو اپنی بےاعتنائی بےتوجہی اور بےوفائی سے گور کنارے پہنچا دیا اور صبر وشکر سے کام لیتے ہوئے وہ غریب دق میں مبتلا ہوکر اور ناخوشگوار وتلخ زندگی کے چند دن کاٹ کر قبل از وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئیں۔

شاید انہیں مظالم، سختیوں اور بےانصافیوں کا یہ ردعمل ہے کہ ہمارے ملک کے قانون نے عورتوں کو طلاق حاصل کرنے میں سہولتیں دینا ضروری سمجھا اور اب معمولی معمولی عورتیں معمولی شکایتوں پر شوہروں سے عدالتی طلاق حاصل کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہیں۔ سچ ہے کبھی کے دن بڑے، کبھی کی راتیں۔ پہلے شوہر بیوی پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھایا کرتا تھا اور بیچاری بیویاں انہیں برداشت کرتی تھیں پھر بھی کبھی ان کی زبان پر طلاق یا خلع کا نام نہ آتا تھا۔ لیکن اب تو حالت اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ شوہر دیدہ ودانستہ بیوی کو کوئی تکلیف نہ بھی پہنچائے اور بقدر حد تمکن اس کی راحت رسانی کا پورا پورا خیال بھی رکھے اور شوہری فرائض کو پوری دیانت داری سے انجام بھی دے لیکن بیوی صاحبہ ہیں کہ سمجھتی ہیں کہ میں انتہائی تکلیف میں ہوں اور شوہر سے گلوخلاصی کرکے اس سے زیادہ کہیں دوسری جگہ آرام وراحت اٹھا سکتی ہوں۔ چنانچہ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے اور شوہر پر سچے جھوٹے الزامات عائد کرکے عدالتی طلاق حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ عدالت تک جو عورتیں جاتی ہیں، ان

میں سے ہر ایک کی شکایتیں غلط اور بے بنیاد ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے ان میں سے بعض عورتیں واقعی مجبوری ہی میں عدالت میں جاتی ہیں اور ایسی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جب کہ واقعی شوہر نالائق ہے۔ وہ نہ بیوی کا خیال کرتا ہے اور نہ بچوں کا۔ عورت فاقے کرتے کرتے اور تکلیفیں جھیلتے جھیلتے عاجز آ گئی ہے۔ وہ بھوکی بھی رہتی ہے اور ننگی بھی، اس کے بچے باپ کی عدم توجہی کی بنا پر یتیموں کی گت میں نظر آتے ہیں، شوہر بیوی کی خیر خبر نہیں لیتا بلکہ بچوں تک سے لاپرواہ بنا رہتا ہے، اسے اپنے مخصوص مشاغل سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ اہل وعیال کی خبر گیری اور کفالت کی طرف توجہ کر سکے۔ ایسی عورتیں اگر عدالت میں نہ جائیں تو بتایا جائے کہ غریب کیا کریں جب کہ نالائق شوہر نہ نان ونفقہ دیتا ہے اور نہ طلاق بلکہ سب وشتم اور مار پیٹ گھاتے میں کرتا ہے۔ اگر اپنے پرائے کسی نے کہا بھی کہ بھائی طلاق ہی دے دو تو جواب ملتا ہے کہ کہیں شریفوں میں طلاق دی جاتی ہے، ہم طلاق نہیں دیں گے بلکہ یونہی رگڑ رگڑ کر ماریں گے۔ گویا لڑائی جھگڑا گالی گلوج، مار پیٹ شرفاء کا شیوہ ہے اور طلاق جس کی اجازت شرع نے بھی دی ہے غیر شرفاء کا کام ہے۔

شرافت ونجابت کا کیا اچھا معیار ہے!!

بہر حال جب سے قانون نے عورت کو طلاق لینے میں سہولت دے دی ہے، اس وقت سے طلاق کے واقعات بھی کثرت سے ہونے لگے ہیں۔ ضلع کے کسی ایسے مجسٹریٹ کی عدالت میں جا کر دیکھئے جو مخصوص طور پر نان ونفقہ، طلاق، زرمہر اور شوہروں کے خلاف عورتوں کی شکایت پر غور کرتی ہے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارا معاشرہ اب کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔

ہندو دھرم میں تو طلاق کا وجود ہی نہیں ہے۔ وہاں تو زن وشو کا تعلق زندگی ہی تک نہیں بلکہ شوہر کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے ہندو سماج میں ستی کی ہولناک رسم کو جنم دیا۔ صرف اس خیال سے کہ شوہر کے بعد بیوی کی زندگی بالکل بے کار ہے، وہ دوسرا بیاہ نہیں کر سکتی اور اسے ساری عمر بیوگی کی کوفت، مصیبت اور اذیت میں گزارنا ہے۔ وہ اپنے حق میں یہی بہتر سمجھتی تھی کہ وہ بھی شوہر کی لاش کے ساتھ اس کی چتا پر بیٹھ کر جل مرے۔ اس کے برخلاف مرد کو پوری آزادی ملی ہوئی تھی۔ وہ بیوی کے مرنے کے بعد ہی دوسری شادی نہ کر سکتا تھا بلکہ بیوی کی زندگی ہی میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا تھا۔ گویا عصمت وعفت اور پاکدامنی صرف عورت سے مخصوص تھی اور مرد کے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

بہر حال ہندوستانی سماج کی عورتوں کے لئے قانون کے رو سے طلاق کی اجازت ہونا زیادہ قرین انصاف سمجھا گیا جس میں انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی زوجہ شوہر سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اب عورتیں اس کے لئے مجبور نہیں ہیں کہ وہ اپنے ظالم سے ظالم شوہروں کا بھی ساتھ دیتی رہیں اور ہر حالت میں ان کے ظلم وستم کے لئے تختۂ مشق بنی رہیں۔

جہاں تک مسلمان عورتوں کا تعلق ہے ان کا ظالم شوہروں سے طلاق لے لینا تو بالکل صحیح ہے لیکن اسی وقت جبکہ انہیں طلاق کے بعد دوسرا نکاح کرنا نہ ہو بلکہ وہ اپنی بقیہ عمر عصمت وعفت اور تجرد و پارسائی میں بسر کر سکیں۔ لیکن اگر طلاق کے بعد انہوں نے دوسرا نکاح کیا تو وہ ہرگز صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ عدالت میں طلاق اسلامی شرائط کے مطابق واقع نہیں ہوئی ہے۔ اگر کوئی عورت عدالتی طلاق کے بعد دوسرا نکاح کرنا ضروری سمجھتی ہو تو اس کے لئے لازمی ہے کہ وہ عدالتی طلاق کے بعد شرعی طلاق بھی اپنے شوہر سے لینے کی کوشش کرے ورنہ دوسرا عقد جائز نہ ہوگا۔

لیکن آجکل جبکہ شرعی احکام وتعلیمات کا احترام مسلمانوں کے دل میں پہلا سا باقی نہیں رہا ہے اور حرام وحلال اور جائز و ناجائز کی حد بندی ان کے لئے ایک مصیبت کی نوعیت رکھتی ہے مسلمان عورتیں عدالتی طلاق لینے کے بعد بلا جھجک اور بغیر کسی پس وپیش کے دوسرا نکاح کر لیتی ہیں اور ہمارے معاشرہ میں ایسی عورتوں سے نکاح کرنے والے باغیرت مرد بھی مل جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نگاہ سے ایسے نکاح جائز نہیں بلکہ زن

وشو کی زندگی معصیت میں کٹتی رہتی ہے اور ایسے جوڑے سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ جائز نہیں ہوتی۔

اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ بھی بروئے کار لانا ضروری ہے ورنہ آئندہ کچھ دنوں کے بعد سماج میں ایسے افراد کی کثرت ہوجائے گی جو اپنے ماں باپ کی صحیح اولاد نہ ہوں گے اور اس طرح جب ان کی آئندہ نسلیں چلیں گی تو رفتہ رفتہ ہمارا پورا معاشرہ گندہ ہوکر رہ جائے گا۔

تعجب ہے کہ اس ضرورت کی ہمارے علمائے کرام اور ارباب حل وعقد نے اب تک کوئی توجہ کیوں نہیں کی اور وہ سالہا سال سے اس سماجی برائی کو خاموش تماشائی کی طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ اگر وہ غور وفکر کرتے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے تدارک کی کوئی نہ کوئی تدبیر ڈھونڈھ نہ نکالتے۔ ہمارے ناقص خیال میں اس کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) پہلے یہ کہ اجتماعی حیثیت سے اونچی سطح پر کوشش اور پروپیگنڈہ کر کے ایک ایسا قانون بنوایا جائے جس کے رو سے کسی عدالت سے طلاق کا فیصلہ ہونے کے بعد ہی حاکم کسی عالم دین کو بلوا کر اپنے سامنے ہی طلاق کا صیغہ بھی جاری کرادے تاکہ بعد میں شوہر کو شرعی حیثیت سے طلاق دینے سے انکار کا موقع باقی نہ رہے۔ اس میں جو خرچ ہو اس کا بار شوہر یا بیوی یا دونوں پر ڈالا جائے۔ جب تک کوئی ایسا قانون بنے ہر عورت اپنے شہر یا حلقہ کے مفتی کی طرف رجوع کرے کہ وہ کوئی نہ کوئی شرعی پہلو نکال کر اس عدالتی طلاق پر شرعی طلاق کی مہر بھی ثبت کردے ممکن ہے کہ بروئے شرع کوئی ایسی صورت نکل سکے کہ ایسے شوہر کو مفتی مفقودالخبر قرار دے کر یا حقوق زوجہ ادا نہ کرنے کی بنیاد پر کچھ مدت کے بعد طلاق جاری کر سکے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ خود مردوں کے جذبہ مذہبی کو بیدار کیا جائے، ان کے احساس فرض کو جھنجھوڑا جائے، ان کے جذبۂ غیرت کو بیدار کیا جائے، ان کے شعور دینی سے اپیل کی جائے کہ وہ عدالتی طلاق ہوتے ہی بغیر کسی بخل کے رضا کارانہ طور پر اپنی بیوی کو شرعی طلاق بھی دے دیا کریں۔ طلاق نہ دینے کی صورت میں اس کی بیوی کے افعال مابعد کی ذمہ داری خود اس کے اوپر بھی عائد ہوگی۔ بغیر شرعی طلاق کے اس کی بیوی کا کسی دوسرے کی زوجیت میں چلا جانا ایسا ہے جیسے کہ اپنے ناموس کو اس نے خود بے غیرتی کی بھینٹ چڑھا دیا ہو۔ طلاق نہ دینے کی صورت میں عورت کی غلط کاری کی ذمہ داری شرعاً ایک حد تک خود شوہر پر بھی عائد ہوگی اور وہ بھی پیش خدا جواب دہی سے نہ بچ سکے گا۔

طلاق نہ دینے میں مرد کے لئے تو دوہرا نقصان ہے ایک دنیاوی اور دوسرا اخروی۔ دنیاوی یہ کہ وہ عورت جو شرعاً اس کے نکاح میں ہے دوسرے کے پاس چلی گئی اور اس طرح دنیا والوں کی نظروں میں شوہر کی عزت وناموس کو بٹا لگا۔ اخروی نقصان یہ کہ وہ بھی اپنی بیوی کی لغزشوں اور غلط کاریوں کے لئے پیش خدا جواب دہ ہوگا عورت کی عدالتی طلاق ہوجانے کے بعد مرد کا اسے شرعی طلاق نہ دینا اس کے لئے خسر الدنیا والآخرہ کی تعریف میں آتا ہے۔

کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہمارے علماء اور معلمین اخلاق اس پہلو سے مردوں میں تبلیغ کریں تو اس کا کچھ اثر نہ ہو۔

(۳) تیسری صورت سب سے زیادہ عملی اور موءثر ہے جو خود ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ اس صورت میں عورت کو طلاق کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا نہیں پڑے گا۔ اور ناپسندیدہ شوہر سے چھٹکارا بھی شرعی طور پر آسانی سے مل جائے گا۔ اس طریقہ کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا بشرطیکہ اس پر ہم عمل کرنا شروع کردیں۔

صورت یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر عورت شوہر سے حقِ طلاق حاصل کرلے اور اسے صیغۂ نکاح کا جزو بنا دیا جائے جب زوجہ دیکھے کہ اب شوہر سے کسی طرح نہیں بنتی اور طلاق ناگزیر ہے تو وہ شوہر کے وکیل کی حیثیت سے خود یا اپنے نمائندہ کے توسط سے اپنی طلاق کا صیغہ جاری کرسکتی ہے۔

اگر ایسے نکاحوں کا ہمارے یہاں عام طور پر رواج

ہوجائے تو شوہر سے تعلقات کشیدہ ہوجانے پر نہ بیوی کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر زندگی گزارنا پڑے گی، نہ شوہر کی خوشامد کرنا ضروری ہوگی کہ للہ تم مجھے طلاق دیدو ورنہ بیوی کو طلاق حاصل کرنے کے لئے عدالت مجاز کا سہارا لینا پڑے گا بلکہ اب وہ اپنے اس اختیار طلاق سے کام لینے کی مجاز ہوگی جو نکاح کے وقت اس نے حاصل کیا تھا۔ شرع اسلام اس طرح کے نکاح کی پوری پوری اجازت دیتا ہے علماء بھی چاہتے ہیں کہ عوام اس سہولت سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں فائدہ اٹھائیں جو شریعت سہلہ نے ہمیں دے رکھی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی اوہام پرستی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ نکاح کے وقت کسی کی زبان پر لفظ طلاق کا آنا بھی بدشگونی اور نا مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ نکاح کے وقت بدشگونی سے ڈرنے والے مستقبل سے بالکل نہیں ڈرتے اور یہ نہیں سوچتے کہ مبادا اگر زن وشو میں نہ بنی تو ان دونوں میں علیٰحدگی جوئے شیر کے لانے سے کم مشکل نہ ہوگی۔ حصول طلاق کے لئے عورتوں اور ان کے ورثہ کا عدالتوں میں جانا، گواہ پیش کرنا، وکیلوں کے الٹے سیدھے توہین آمیز سوالات کے جواب دینا، گھر کے شرمناک واقعات کا برسر عدالت ذکر ہونا، خانگی واقعات اور زن وشو کے نازک تعلقات کی ہانڈی کا چوراہے پر پھوٹنا اس سے کہیں زیادہ برا اور نامبارک ہے کہ نکاح کے وقت دل پر جبر کر کے عورت حق طلاق لے لے۔ عورت کو جب یہ حق مل جاتا ہے تو شوہر بھی دبا رہتا ہے اور بے جا بیوی کو دبانے سے اجتناب کرتا ہے نیز عورت بھی احساس کمتری میں مبتلا نہیں رہتی۔ ایسے زن وشو میں بدمزگی کی مشکل ہی سے نوبت آسکتی ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہوگا فریقین نباہ کرنے کی کوشش کریں گے اور اگر بالفرض محال دونوں میں اتحاد نہیں رہتا تو شوہر کا راستہ وہ اور بیوی کا راستہ یہ۔ لڑائی نہ جھگڑا، نہ فساد نہ دنگا، نہ عدالت کے بکھیڑے، نہ برسر عام رسوائی و بدنامی، بغیر کسی جھنجھٹ کے دونوں الگ ہوسکتے ہیں۔

ہمارے دو عزیز مخلص دوستوں نے اپنے لڑکے اور لڑکی کا رشتہ باہمی گفت وشنید سے طے کیا۔ جب رشتہ پکا ہوگیا اور شادی کی تاریخ مقرر ہوچکی تو چونکہ ہمارے تعلقات طرفین سے بہت دیرینہ اور مخلصانہ تھے اور بے تکلفی حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی اس لئے ہم نے ایک مشترکہ دوست کی حیثیت سے دونوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے صاحبزادے اور صاحب زادی کا نکاح اس طریقے سے پڑھوائیں کہ لڑکے کی طرح لڑکی کو بھی حق طلاق حاصل ہو۔ چونکہ ہمارے یہ دونوں دوست سمجھ دار، معاملہ فہم اور حقیقت پسند تھے اس لئے انہوں نے ہماری تجویز بہت پسند کی اور طے ہوگیا کہ نکاح ہمارے تجویز کردہ طریقے ہی پر پڑھوایا جائے گا۔

بہرحال شادی کا دن آ گیا۔ برات بھی دلہن کے یہاں پہنچ گئی۔ نکاح میں شرکت کرنے والوں سے محفل بھی بھر گئی۔ صیغہ نکاح جاری کرنے کے لئے علمائے کرام بھی آ گئے۔ جن میں سے لڑکی کے وکیل مفتی اعظم مولانا سید احمد علی صاحب قبلہ پرنسپل مدرسہ ناظمیہ اور لڑکے کے وکیل حجۃ الاسلام مولانا سید محمد صاحب قبلہ پرنسپل سلطان المدارس لکھنؤ تھے۔ دونوں سمدھیوں نے مولانا صاحبان سے جا کر عرض کی کہ اس نکاح میں ایک لازمی شرط یہ بھی ہوگی کہ اگر لڑکے کی عدم توجہ، بے مروتی اور بدعنوانی سے لڑکی کی زندگی تلخ اور بے کیف بن جائے اور سدھار کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو لڑکی کو بھی یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ لڑکے کی طرف سے مقررہ شرائط نکاح کی عدم تعمیل کی بناء پر اپنے وکیل کے ذریعہ صیغہ طلاق جاری کرادے۔ دونوں مجتہدین کرام نے اس بات کو سن کر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا کہ آپ دونوں حضرات قابل ستائش ہیں کہ آپ کو ایک ایسی بات کی طرف توجہ ہوئی ہے جس کی اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے اور جس کے بغیر سیکڑوں بے زبان لڑکیوں کی زندگی تباہ ہورہی ہے۔ شوہر ظلم و زیادتی بھی کرتا ہے تو زوجہ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہوتا جس سے کام لے کر وہ شوہر کی اصلاح کر سکے اور اپنی تأہلی زندگی کو خوشگوار بنا سکے آپ جس قسم کے نکاح کی پہل کررہے ہیں اگر اس کا رواج عام طور پر ہماری قوم میں ہوجائے تو ایک بڑی سماجی خرابی کا ہمیشہ کے لئے سد باب ہوسکتا ہے۔

سرکار مفتی اعظم نے اہل محفل کو بھی بتا دیا کہ یہ نکاح اس طرح ہو رہا ہے جس میں لڑکی کو بھی حق طلاق حاصل ہوگا، اپنی نوعیت کا یہ پہلا نکاح ہے اور قومی مفاد اس کا داعی ہے کہ ہمارے یہاں اس طرح کے نکاحوں کا عام رواج ہو جائے۔

جیسے ہی یہ بات دولہا کے ایک بزرگ نے سنی وہ غصے سے بے قابو ہو گئے اور اس نکاح کی سخت مخالفت کرنے لگے۔ دونوں مجتہدین کرام نے موصوف کو ہر چند سمجھایا اور کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے تو رشتے میں اور زن وشو کے تعلقات میں استحکام پیدا ہوگا۔ لیکن ان بزرگ نے کسی دلیل کو تسلیم نہیں کیا اور ہونے والے نکاح کی برابر مخالفت فرماتے رہے۔ دونوں سمدھی اس نئی صورت حال کو دیکھ کر کچھ مبہوت سے بن کر رہ گئے تھے۔ وہ اس بحث کے دوران میں بالکل خاموش تھے اور ان کا سکوت اس کا یقین دلا رہا تھا کہ نکاح ویسا ہی ہوگا جس میں لڑکی کو بھی حق طلاق حاصل ہو۔

جب لڑکی کے ناکح نے خطبہ شروع کرنا چاہا تو وہ غصے میں یہ کہتے ہوئے محفل سے اٹھ کر چل دیئے کہ جب عدالت میں مقدمہ جائے گا تو مجھی کو تو بہ حیثیت وکیل کے لڑکے کی طرف سے عدالت میں پیروی کرنے کے لئے جانا پڑے گا۔ ایسی صورت میں میرا اس محفل میں ٹھہرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔ میں اس بات کا کیوں گواہ بنوں کہ یہ نکاح ایسے ڈھنگ سے پڑھا گیا تھا جس میں عورت کو بھی حق طلاق حاصل تھا اور جس کا عام طور پر مسلمانوں میں رواج نہیں ہے۔

وکیل صاحب کو واک آوٹ کرنے سے باز رکھنے کے لئے جب حضرات علماء اور لڑکے کے والد کی کوششیں ناکام ہو گئیں تو لڑکی کے والد نے اس خیال سے کہ کہیں یہ بات نئے سمدھیانے سے بعد میں اختلاف و ملال کا سبب نہ بن جائے بے محل دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے وکیل صاحب کے پاس جا کر کہا کہ آپ تشریف رکھیں، میں اپنی شرط واپس لیتا ہوں اور نکاح عام دستور کے مطابق اسی طرح ہوگا جس طرح آپ کی خواہش ہے۔

بہر حال نکاح مروجہ قاعدہ کے مطابق ہی ہوا اور اس نکاح کو اولیت کا وہ شرف حاصل نہ ہو سکا جو میری تحریک اور دونوں سمدھیوں کی منظوری کی وجہ سے اسے حاصل ہونے والا تھا۔

ہمیں اپنی اس کوشش کی ناکامی کا بڑا رنج ہوا۔ مگر ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔ اگر لڑکی کے والد نے ذرا صبر سے کام لیا ہوتا تو لڑکے کے والد طے شدہ طریقے ہی سے نکاح پڑھے جانے پر آمادہ رہتے اور اپنے ایک قریبی عزیز کی ناراضگی کی ہرگز پروانہ کرتے۔

کچھ عرصہ کے بعد ہماری لڑکی کا ایک پیغام آیا اور پیغام بھی اپنے ایک انتہائی مخلص دوست کے لڑکے کا جنہیں شیعیان ہند میں خاصا تعارف حاصل ہے۔ یعنی سید ابن حسین صاحب نقوی آنریری سکریٹری امامیہ مشن کے صاحبزادے کا۔

استخارے پر بنا کی گئی جب بات پختہ ہو گئی تو ہم شادی کے سامان اور مصارف کے مہیا کرنے کی ادھیڑ بن میں لگ گئے۔ ہم کوئی سرمایہ دار تو ہیں نہیں کہ شادی کے اخراجات کے لئے بینک سے روپیہ نکال کر شادی کا سارا جہیز خرید لیتے۔ اسی فکر میں ہم سرگرداں تھے کہ ایک دن ابن حسین صاحب نے ہمارے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بھائی چونکہ ہم دونوں کو قومیات و مذہبیات میں دلچسپی رہی ہے اور تمہاری اور میری شاہراہ فکر بھی ایک ہی ہے۔ اور ہم ہمیشہ اس بات کے خواہاں بھی رہے ہیں کہ شادی بیاہ کی رسموں میں اصلاح کریں اس لئے میری دو تجویزیں ہیں ایک یہ کہ یہ شادی بالکل سیدھے سادے طریقے سے ہو جس میں مطلق اللے تللے سے کام نہ لیا جائے اور شادی کے بجٹ کو دس بیس روپیہ سے متجاوز نہ ہونے دیا جائے۔ میری دوسری تجویز یہ ہے کہ جو نکاح ہو اس میں لڑکی کو حق طلاق بھی دیا جائے۔

ابن حسین صاحب اپنی سب سے بڑی لڑکی کی شادی بہت ہی سیدھے سادے طریقے سے کر چکے تھے، نکاح بھی مسجد میں ہوا تھا، شادی کا مجموعی خرچ پانچ روپیہ سے زیادہ نہیں تھا۔

اس شادی کے موقع پر صحبت فضائل میں سرکار سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ نے جو تقریر فرمائی تھی اسے ابن حسین صاحب نے شادی خانہ آبادی کے نام سے بہ صورت رسالہ شائع کر دیا تھا جو اب بھی امامیہ مشن سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ سب سے پہلے اسی تقریر سے ہمیں یہ معلوم ہوسکا تھا کہ ایک نکاح ایسا بھی ہوتا ہے جس میں لڑکی کو بھی حق طلاق مل جاتا ہے۔ اسی وقت سے ہمیں اس کی کد تھی کہ کسی طرح ہمارے معاشرہ میں ایسے نکاحوں کا رواج ہوجائے لیکن سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ پہل کون کرے اور اگوا کون بنے ؟ قدرت نے یہ سعادت وشرف ابن حسین صاحب ہی کے حصے میں لکھ دیا تھا۔ اور شاید انہیں کی وجہ سے میں بھی اپنی ایک دیرینہ خواہش پوری کرسکا اور ایک ایسے نکاح کی ابتدا کردی جس سے اب تک بہت سے لوگ واقف بھی نہ تھے۔ یہی دونوں شرطیں اس رشتے کو عملی جامہ پہنانے میں سب سے زیادہ معین ثابت ہوئیں۔

بہرحال ہم دونوں نے آپس میں طے شدہ پروگرام کے مطابق یہ شادی انجام دے ڈالی جس میں کوئی غیر شرعی رسم ادا نہیں کی گئی اور اس تقریب کو سادگی کی انتہائی حد تک پہنچا دیا۔ مہر بھی وہی مقرر کیا گیا جو حضرت سیدۃ النساء العالمینؑ کا مقرر کیا گیا تھا۔ نکاح بھی مسجد میں بس مخصوص اعزا اور دوستوں کی موجودگی میں ہوا۔ یہی نکاح سب سے پہلا ہوا ہے جس میں لڑکی کو حق طلاق حاصل ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ مثالی شادی کامیاب ہے اور زن وشو میں کسی کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں۔ دونوں کی زندگی ابھی تک خوشگوار گزر رہی ہے۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی خوش گوار گزرے گی اس لئے کہ اسی خوشگواری کے لئے تو نکاح میں یہ جدت برتی گئی ہے۔

اس رشتے کی کامیابی وخوشگواری کی واحد وجہ یہ نہیں ہے کہ لڑکے کو یہ ڈر ہے کہ کہیں لڑکی اپنے حق طلاق کو استعمال نہ کر بیٹھے۔ حق طلاق کے استعمال کی نوبت تو اس وقت آسکتی ہے، جبکہ شوہران شرائط کی خلاف ورزی کرے جن کی بناء پر لڑکی نے اپنے لئے حق طلاق حاصل کیا ہے۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو شرعاً زوجہ کو حق طلاق کے استعمال کا حق بھی نہیں پہنچتا اور پھر یوں بھی شریفوں میں چھٹم چھٹا اور طلاق وخلع کا تو سوال پیدا ہوتا ہی نہیں۔ شادی کے بعد شریف لڑکی کا جس گھر میں ڈولا جاتا ہے وہاں سے پھر اس کا جنازہ ہی نکلا کرتا ہے۔

اس شادی کے بعد ہم نے اس مثالی شادی کا ذکر سرفراز کے کالموں میں کرتے ہوئے افراد قوم کو توجہ دلائی تھی کہ وہ بھی اس طرح کے نکاحوں کو رواج دینے کی کوشش کریں تاکہ ہمارا پورا سماج زن وشو کی کشیدگی اور اس کشیدگی کے نتائج بد سے چھٹکارا پاسکے۔ اور اسی نقطہ نظر کے ماتحت ابن حسین صاحب نقوی سکریٹری امامیہ مشن نے اس تقریر کو جو تقریب نکاح کے سلسلہ میں منبر پر جاکر سرکار سید العلماء مدظلہ نے فرمائی تھی رسالہ کی شکل میں امامیہ مشن سے چھپوا دیا ہے۔ اس میں علاوہ مذکورہ تقریر کے وہ صیغہ ہائے نکاح بھی دے دیئے گئے ہیں جو اس مخصوص نکاح میں جاری کئے جاتے ہیں۔ اس رسالہ کا نام 'نظام ازدواج' ہے۔

سرفراز کی توجہ دہانی اور امامیہ مشن کی طرف سے رسالہ 'نظام ازدواج' کے بعد بھی افسوس ہے کہ افراد ملت نے اس طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور ملک کے کسی گوشہ سے اس قسم کے نکاح کی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ بہرحال ہم نے لڑکی کا نکاح کرکے ایک مثال قائم کردی ہے اور ہمارے علم ویقین میں یہ نکاح ابھی تک منفرد حیثیت رکھتا ہے جس کا جواب ابھی تک کسی طرف سے نہیں ہوسکا ہے۔

کاش ایسے نکاحوں کا عام طور پر رواج ہوجائے تاکہ عدالت میں جاکر کسی عورت کو عدالتی طلاق (یعنی غیر شرعی طلاق) لینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ افراد شیعہ شریعت کی اس دی ہوئی سہولت سے فائدہ اٹھانے کی طرف کیوں توجہ نہیں کرتے اور پھر مزید یہ کہ جب شادی کے بعد زن وشو کے تعلقات خراب ہوجاتے ہیں اور دونوں کی تأہلی زندگی

اجیرن بن جاتی ہے اس وقت طلاق کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ اور جب شرعی دشواریوں کی وجہ سے طلاق میں رکاوٹیں پڑتی ہیں تو قسمت اور شریعت کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ شریعت محمدی بھی ہمارے درد کے لئے کوئی درماں تجویز کرنے سے قاصر ہے مگر شریعت تو اسی وقت ذمہ دار قرار پاتی ہے جب اس نے اس مشکل کا پہلے سے حل نہ بتادیا ہوتا۔ قانون محمدیؐ میں تو کافی رعایت اور گنجائش موجود ہے۔ لیکن ہم اس سے استفادہ کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور جب کام بگڑ جاتا ہے تو شریعت کو صلواتیں سنائی جاتی ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ہم اپنی واقفیت کی بناء پر کسی کی ہمدردی میں یہ بتادیں کہ اس وقت تم فلاں راستے سے نہ جانا اس لئے کہ راہ خطرناک ہے، ڈاکوؤں کا بھی ڈر ہے اور شیر کا بھی اندیشہ ہے لیکن جب وہ ہمارے اس مشورہ پر عمل نہیں کرتا اور راہ میں کسی خطرہ سے دوچار ہوجاتا ہے تو اس وقت اسے ہم سے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں کہ ڈاکوؤں یا شیر سے بچانے کے لئے تم ہم تک کیوں نہیں آئے۔ اگر اس نے ہمارے سمجھانے کے بعد احتیاط سے کام لیا ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ اسی طرح اگر لوگ نکاحوں میں احتیاط برتتے ہوئے نکاح کے موقع پر لڑکی کو بھی حق طلاق دے دیں تو بعد میں مشکلات کا سامنا ہی کیوں ہو اور یہ کہنے کی نوبت ہی کیوں آئے کہ شرع ہماری مدد کرنے سے قاصر ہے۔

وقت گزر جانے کے بعد شرع ایسے لوگوں کی کیا مدد کرسکتی ہے جنھوں نے اس کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھا اور زن وشو کو نکاح کے ایسے بندھن میں باندھ دیا جس کو توڑنا عورت کے اختیار میں نہیں بلکہ صرف مرد کے اختیار میں ہے۔ نکاح تو دو فریقوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے اور معاہدہ ہوچکنے کے بعد شرائط معاہدہ پر عمل کرنا طرفین کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ مروجہ نکاحوں میں بروئے معاہدہ عورت اس پر رضامندی کا اظہار کردیتی ہے کہ طلاق کا حق مجھے نہیں بلکہ شوہر کو رہے گا۔ اگر اس شرط کے بجائے اس معاہدہ میں یہ شرط بھی رکھ دی جائے کہ شوہر کے علاوہ فلاں فلاں صورتوں میں بیوی کو بھی حق طلاق حاصل ہوگا۔ تو پھر پیش آنے والی قباحتیں پیدا ہی کیوں ہوں۔

اس سب کچھ لکھنے سے ہمارا منشا یہ ہے کہ کسی طرح ان برائیوں کا پوری طرح انسداد ہوجائے جو عدالتی طلاق کے نتیجہ میں ہمارے معاشرے کے اندر پھیلتی جارہی ہیں۔

اس دشواری پر بڑی آسانی سے قابو پایا جاسکتا ہے اگر ہمارے واعظین ومبلغین اور ذاکرین اس طرف توجہ فرمائیں۔ وہ اگر اپنے اوپر یہ فرض قرار دے لیں کہ وہ منبر پر جاکر جب کسی مجلس یا محفل میں تقریر کریں گے تو اس مسئلہ کو سامعین کے ذہن نشین کرنے کی ضرور کوشش فرمائیں گے۔ اسی طرح شیعہ اخبارات کے ایڈیٹر، مصنفین اور اہل قلم کو اس سلسلہ میں جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے اگر پریس و پلیٹ فارم سے متحدہ طور پر کوشش کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہ ہو اور عدالتی وشرعی طلاقوں میں تال میل پیدا ہونے کی کوئی صورت نہ نکل آئے۔ اس مسئلہ کے واقف کاروں کو چاہیئے کہ وہ ناواقف افراد کو سمجھانے کی کوشش کریں اور ناواقف افراد کے لئے ضرورت ہے کہ جو کچھ واقف کار بتائیں ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوجائیں۔

اس سلسلہ میں ایک ضرورت ہے اور وہ یہ کہ جن جن حضرات کے لڑکے اور لڑکی کا نکاح اس جدید طریقے سے ہوا اس کی کافی نشر واشاعت بھی ہونا چاہیئے۔ دوسروں کو بتایا جائے کہ ہم نے ایسا کیا ہے تم بھی اپنے، اپنی اولاد اور قوم کے مفاد کی خاطر اس طرح کے نکاحوں کو رواج دینے کی کوشش کرو۔

اس طرح کے نکاحوں کی خبریں قومی و مذہبی اخبارات میں شائع کرائی جائیں اور ہر ممکن طریقے سے ان کے نشر کی کوشش کی جائے تاکہ آپ کے عمل سے دوسرے بھی متاثر ہوں اور ان کے دل میں تشویش وترغیب اور تحریص پیدا ہو۔

اس سلسلہ میں ہمیں اپنے یہاں کی خواتین کی ذہنیت کو

بدلنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ وہ ذرا کم حقیقت پسند ہوتی ہیں اور اپنے رجعت پسندانہ مزاج کی وجہ سے لکیر کی فقیر بنا رہنا پسند کرتی ہیں ۔ اگر مرد اس طرح کے نکاح کی تجویز بھی پیش کریں گے تو عورتیں ہی اس میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوں گی ۔

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن، لکھنؤ نمبر ۵۵۰ محرم ۱۳۸۸ھ

التماس سورۂ فاتحہ
برائے ایصال ثواب
سید اعظم حسین
ابن سید کاظم حسین
وسیدہ چھوٹی بیگم بنت وقار حسین
ملتمس
سید زندہ رضا
میدان ایل ایچ خان، رستم نگر، لکھنؤ

مجلس چہلم
برائے ایصال ثواب
حیدر عباس ابن نذیر حسین صاحب
بتاریخ: ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء بروز جمعرات
بمقام: امام باڑہ ابوطالبؑ، حسن پوریہ، منصور نگر، لکھنؤ
سوگواران
رضا عباس، حسن عباس، کاظم عباس، محمد عباس، عاشق عباس، جعفر عباس (پسران)
سید اختر حسین، سید رفیق حسین (داماد) و دختران
Mob. 09307302276

التماس سورۂ فاتحہ
برائے ایصال ثواب
شہناز فاطمہ
بنت لیاقت حسین
ملتمس
سید اطہر حسین، سید عرشی (پسران)
احاطہ مرزا علی خاں، لکھنؤ

التماس سورۂ فاتحہ
برائے ایصال ثواب
کرار حسین
ابن اکبر حسین
ملتمس
احسن ممتاز، شاداب حیدر، اظہر (پسران)
ٹاپے والی گلی، کاظمین روڈ لکھنؤ

التماس سورۂ فاتحہ
برائے ایصال ثواب
سید مہدی حسین ابن سید اعجاز حسین صاحب
سید ناصر حسین ابن سید مہدی حسین صاحب
ملتمس
سید صادق حسین، حسن پوریہ، لکھنؤ